Dr. Saira Irshad
Assistant Professor, Dept. of Urdu,
Govt. Sadiq College Women
University Bahawalpur

ڈاکٹر سائرہ ارشاد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

Dr. Farzana Kokab
Associate Professor, Dept. of Urdu,
Bahauddin Zakariya University,
Multan

ڈاکٹر فرزانہ کوکب
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اردو ناول کا ماحولیاتی تناظر

Ecological Perspective of Urdu Novel

Abstract: Since time immemorial, man has not only made the world's ecosystem a part of his life, but has also been constantly influencing it through changes. If we examine the environment critically, it becomes clear that the changes in the colors of the universe that gave it a natural look have not only affected the environment, but also made the journey of human development possible thanks to this modification. The man who kept creating turmoil in the system of the universe in order to be called advanced was, in fact, a sign of danger. Apparently, the abundance of comforts and facilities has also become a curse for man. In the important genre of Urdu literature, "novel", many novels related to the environment have come to the fore, thanks to which it can be estimated that our novelists not only studied environmental elements carefully but also fulfilled their responsibilities well by conveying them to the reader in the form of creation. The novels of Mustansar Hussain Tarar, Khalid Fateh Muhammad, Tahira Iqbal, Waheed Ahmed, Arshad Chahal, Khalid Javed, Muhammad Atif Aleem, Amna Mufti, Akhtar Raza Saleemi and Hina Jamshed are a link in this series.

Key words: Anthropocentrism, echological change, global village, water resources, drought, deforestation, natural resources

انسانی طرزِ زندگی پر ماحول کا نمایاں اثر پڑتا ہے۔ "ماحول" ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کو وسیع معنوں میں لیا جاتا ہے۔ عام زبان میں اسے قرب و جوار، گرد و نواح اور وہاں کے طبعی و ثقافتی حالات کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میدانوں کی زرخیز مٹی کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے زراعت بہترین پیشہ ہے جب کہ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے جانور پالتے اور لکڑی کاٹتے ہیں اسی طرح ساحل پر آباد لوگ مچھلی پکڑتے ہیں، غرض انسان قدرت کے بنائے ہوئے نقش و نگار پر اپنی مہر ثبت کرتا ہے۔

آبادی میں اضافہ قدرتی وسائل کے بے دریغ استعمال کی اہم وجہ ہے۔ لوگوں کی بدولت "وسائل" میں زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ آلودگی کو عام طور پر کچھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے ہوا، مٹی، آواز، صنعت، پانی، درجۂ حرارت بڑھنے کی وجہ سے آلودگی، اٹامک اور نیوکلیائی آلودگی، ہسپتال کی ادویات اور کیڑے مار ادویات کی کی وجہ سے آلودگی وغیرہ:

"صنعت ہر حال میں ضروری اور فائدہ مند ہے کیونکہ اس سے کام ملتا ہے اور ترقی ہوتی ہے لیکن یہ آلودگی بڑھاتی ہے جس سے نقصان ہوتا ہے۔ ہمیں دونوں میں توازن بھی قائم کرنا ہوگا۔"(۱)

آلودگی کا مسئلہ جس قدر کرہ ٔارض پر ہے اس سے کئی گنا زیادہ تشویش ناک صورتحال "خلا" میں ہے۔ زمینی آلودگی کی بدولت "خلا" بری طرح متاثر ہوا ہے۔ خلا میں آلودگی کی ایک بڑی وجہ "راکٹ" ہیں، اس کے علاوہ پہلے سے موجود سیارچے کو کسی دوسرے سیارچے سے ٹکرا دیا جائے یا میزائل / لیزر کی مدد سے نشانہ لے کر اسے تباہ کیا جائے۔۔ اس طرح کے تجربات خلا میں ٹکروں یا ملبوں کی صورت آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں:

"ٹیکنالوجی کے فوائد تو سب پر عیاں ہیں لیکن خلا کا استعمال جس بے دردی سے کیا گیا ہے یقیناً آئندہ نسلوں کے لیے باعثِ زحمت ہوگا۔ یوں ایک دوسرے پر سبقت کے شوق میں اصولوں کو نظر انداز کیا گیا اور اب یہ آلودگی سب کے لیے سنگین مسئلہ بن گئی ہے۔"(۲)

ٹیکنالوجی کے فروغ اور بشر مرکزیت فلسفے نے فطرت کی تسخیر کے نام پر اس کا استحصال کیا، انسان برتری کے زعم میں مبتلا ہو کر ماحولیاتی حوالے سے تباہی کا ذمہ دار قرار پایا۔ نتیجے کے طور پر موسمیاتی تبدیلیاں سامنے آئیں نیز سمندری طوفان، زلزے، سموگ اور آلودگی کی صورت میں مختلف بیماریاں پھیلنے لگیں۔ ماحولیاتی علوم ان تبدیلیوں کے علاوہ سماجی و نفسیاتی و طبعی اثرات اور ان سے نمٹنے کے انفرادی و اجتماعی، منظم و غیر منظم طریقوں سے بحث کرتے ہیں:

"ہمارے ارد گرد کی ہر وہ چیز جو کسی جاندار کی زندگی کو متاثر کرتی ہے اس کا ماحول کہلاتی ہے۔ ایک جاندار کا ماحول طبعی یا جسمانی اور حیاتیاتی عوامل کا مجموعہ ہوتا ہے اور ایک جاندار خوراک، پانی، پناہ گاہ، ہوا اور دیگر ذرائع سے زندہ رہتا ہے۔ اگر کسی جاندار کی ماحولیاتی کیفیات میں تبدیلی رونما ہو جائے تو پھر جاندار کی بقا ممکن نہیں ہو سکتی۔"(۳)

تیزی سے بدلتی ہوئی صورتحال میں انگریزی ادبیات کی تشکیلِ نو کا سلسلہ تو جاری ہوا تاہم اردو ادب میں اس حوالے سے کوئی خاص صورتِ حال منظرِ عام پر نہ آ سکی۔ اردو ادب میں اس سارے منظرِ نامے کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ ماحولیاتی بحران کو ادب کے ذریعے اس لیے اجاگر کرنا ضروری ہے کہ لوگ اپنے، ماحول کی ضروریات کو سمجھ سکیں اور اس کے مطابق زندگی کے معاملات میں "ماحولیاتی" مسائل کا خیال رکھ سکیں۔ تیل کے اخراج، سیسہ اور دیگر ماحولیات کی زہر آلودگی کے علاوہ زہریلے فضلات کی آلودگی، جنگیں، ایٹمی فضلات، اوزون کی سطح میں شگاف، عالمی درجۂ حرارت میں اضافہ، مٹی کی بالائی سطح میں بردگی، برساتی جنگلوں کی تباہی و بربادی، آتش زدگی، کوڑا کرکٹ، ایٹمی ری ایکٹر کی تباہی، قحط، خشک

سالی، سیلاب اور طوفان جیسے مسائل نے دنیا کو ہمیشہ کہیں نہ کہیں متاثر کیا ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اس حوالے سے بڑے پیمانے پر کوششوں سے صورتحال معمول کے مطابق لائی جاسکتی ہے:

"دو عالمی جنگیں تو ہو چکیں مگر تیسری عالمی جنگ کی وجہ پانی ہو گا اور پھر اس جنگ کے بعد اگلی جنگ نیوکلیئر، ری ایکٹر، راکٹ یا کیمیائی جنگ کی بجائے لاٹھی ڈنڈے سے لڑی جائے گی۔"(۴)

دنیا کو "گلوبل ولیج" قرار دیا گیا۔ سماجی علوم کے ماہرین ماحولیاتی حوالے سے نت نئے راستے تلاش کرنے کی کوشش میں مصروفِ عمل ہیں۔، ماحولیات اور ذہنی صحت کے باہمی تعلق پہ بھی غور کیا جاتا ہے جب کہ فطرت سے دوری کو ہمارے سماجی و نفسیاتی عوارض کی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ ماحولیات کا "ادب" کے ساتھ مطالعہ کریں تو یہ ایک اہم موضوع قرار دیا جاسکتا ہے۔ بقول ویلس سٹیگز:

"وہ بغیر کسی ترتیب و تنظیم کے موضوع کو وسعت اور آزادی دیتے؛ اسے معنی خیز بناتے، اس کی اطراف کو کھلا چھوڑ دیتے تاکہ ادب اور ماحولیات ہر طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کر سکیں۔"(۵)

آج کے دور میں ہمیں جن مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے ان میں سب سے اہم مسئلہ "ماحولیات" کا ہے۔ جہاں تک اردو ناول کا تعلق ہے اس کے وسیع کینوس میں فطرت، قدرتی ماحول، ماحولیاتی حسن، مختلف خطوں کا لینڈ سکیپ، بن نگاری کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی عنصر کو بھی زیر موضوع لایا گیا ہے۔ اردو ناول میں ماحولیات کی عکاسی کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ماحولیات کے موضوع پر باقاعدہ ناول بھی لکھے گئے، ایسے ناولوں کا پلاٹ، اور کہانی طبعی ماحول، ماحول میں قدرتی یا مصنوعی عمل و تواتر در آنے والے تغیر و تبدل اور آج کے ماحولیاتی مسائل پر استوار ہے۔ جہاں تک اردو میں ماحولیاتی موضوع پر باقاعدہ ناول نگاری کا تعلق ہے تو تارڑ صاحب کو پہلے ناول نگار کے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا ناول "بہاؤ" ایک دریا کی کہانی ہے جو آلودگی اور انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ مر رہا ہے۔ اس ناول میں مقامی کمیونٹی کے لیے دریا کی اہمیت اور ان کی زندگیوں پر اس کے زوال کے تباہ کن اثرات کو دکھایا گیا ہے نیز صاف پانی کی اہمیت اور ہمارے دریاؤں و دیگر آبی ذخائر کو آلودگی سے بچانے کی ضرورت کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے:

"ہر زندہ چیز جو اس زمین پر رہنے کی آرزومند ہے، اسے یا تو خود کرۂ حیات کے مطابق ڈھالنا ہو گا یا نیست و نابود ہونا پڑے گا۔"(۶)

ناول "بہاؤ" کی جہاں کئی تاریخی، لسانی، تہذیبی اور ثقافتی جہتیں ہیں وہیں ایک اہم پہلو "ماحولیات" ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے تخیل کی بناء پر پانچ ہزار سال قبل کے ماحول اور اس دور میں وقوع پذیر ماحولیاتی تبدیلیوں کو اجاگر کیا ہے۔ اس ناول میں ہزاروں برس قبل کی تاریخ کا ایسا دور بیان کیا گیا ہے کہ جو "پانی" جیسے بحران کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ مرکزی کردار "پاروشنی" اپنے علاقے کی مدد

کا جذبہ لیے کبھی پانی بھر لاتی ہے اور کبھی دیگر کاموں میں سب کا خیال رکھتی ہے۔ فطرت کے قریب تر زندگی گزارنے والے کردار اپنے سادہ معمولات میں مگن رہتے ہیں۔ پانی زندگی کا ایک اہم جزو اور نسلِ انسانی کی بقا ہے:

"دنیا پانی سے شروع ہوئی ہے۔ سمندر کا پانی جیسا آج کھاری ہے اتنا پہلے نہیں تھا۔ جہاں پانی تھا وہیں آبادی شروع ہوئی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ (۷)

دریائے سرسوتی کے کنارے آباد یہ لوگ آپس میں امن و محبت سے زندگی گزارتے ہیں۔ سرسوتی کو "بڑے پانیوں کی ماں" اور "ساتویں ندی" کہا جاتا تھا۔ ایک اور کردار "گاگری" پرندوں کا شکار اس انداز سے کرتی کہ "وار" کبھی خالی نہ جاتا۔ وہ اس سارے عمل میں بستی والوں کی مدد کرتی ہے۔ پاروشنی "ورچن" یا "سمرو" میں سے کسی ایک کو اپنا ہمسفر بنانا چاہتی تھی۔ ان معاملات کے ساتھ ساتھ پانی کا مسئلہ بھی پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اس آباد بستی میں جہاں سب لوگ آپس میں مل جل کے رہتے تھے وہیں ان کے معاملاتِ زندگی بھی کسی سے الگ تھلگ نہ تھے۔ خشک سالی نے علاقہ مکینوں کو سوگوار کر دیا، یہ صورتحال زندگی گزارنے کے لیے انتہائی مایوس کن تھی:

"آسمان خالی تھا تو اس میں سے گرتا کیا اور اگر سوکھی مٹی میں دبے باجرے اور تل پر کچھ گرے نہ اسے گیلا نہ کرے تو وہ پھوٹے کیا۔۔۔۔۔۔ماتی کے وانگو، چندرو جھور یا سوکھے کھیت میں رہتے جیسے ان کے تکنے سے وہاں گہر ہوئی اور بادل بنیں گے۔" (۸)

اس سارے منظر نامے میں پاروشنی بے چینی سے پانی کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔ دریا کنارے پانی کم تھا۔ لوگ مچھلی کے شکار کا تعاقب کرتے۔ خشک کھیت علاقہ مکینوں کو افسردگی میں مبتلا کر رہے تھے۔ کھیت کھلیان سوکھ چکے تھے۔ دریائے سرسوتی کے رہائشی تنگی سے زندگی گزار رہے تھے۔

دریائے سرسوتی کے خشک ہونے کو علامتی طور پر تہذیبی حوالے سے کرۂ حیات کی موت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کوئی معمولی عمل ہرگز نہیں، خشک ہوتا دریا نہ صرف زمین کی تخلیقی کوکھ کو بانجھ کر دیتا ہے۔ بلکہ پورے کرۂ حیات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔

خالد فتح محمد کا ناول "کوہِ گراں" ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو اپنے آبائی گاؤں محض اس لیے آتا ہے کہ اس اجاڑ اور بیاباں گاؤں کو آباد کر سکے۔ علاقہ مکیں خشک سالی کی وجہ سے ہجرت کر گئے۔ محض چند گھرانے تھے جنھوں نے تنگ دستی اور پانی کی قلت کے باوجود علاقہ نہ چھوڑا۔ مرکزی کردار "حلیم" اپنے آبائی گاؤں ان چند گھرانوں کے پاس جاتا ہے جو دھرتی سے محبت کی بناء پر وہاں مقیم تھے اور بہت مشکل سے گزر بسر کر رہے تھے۔ علاقہ مکیں "دیسو" کچھ اس طرح گاؤں کے اجڑنے کی معلومات فراہم کرتے ہیں:

"چودھری جی! دریا خشک ہوا تو بڑی نہر خشک ہو گئی۔ بڑی نہر خشک ہوئی تو اس سے نکلنے والی چھوٹی نہر خشک ہو گئی۔۔۔ زمین بنجر ہونا شروع ہو گئی۔ زمین کے اندر کی نمی سے فصل اگتی مگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے جل جاتی۔ آہستہ آہستہ زمیں کے اندر کی نمی ختم ہونے لگی۔"(۹)

زرخیز مٹی کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔ یہ ریت کی شکل اختیار کرنے لگی۔ ایک آباد گاؤں کو جب ویرانی میسر آئی تو وہاں کی فضا ہی بدل گئی۔ وہ لوگ جو کبھی اس گاؤں کی رونق تھے، پانی کی قلت سے ہجرت کر گئے اور علاقہ ویراں ہو گیا۔ پانی کی کمی صرف انسان ہی نہیں دیگر مخلوقات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

پانی کی تلاش میں سرگرداں یہ چند لوگ کئی طرح سے معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناول مسئلے کے حل کی تلاش میں مختلف پہلوؤں کے حوالے سے غور و فکر پر مبنی کہانی کے ذریعے نہ صرف پانی کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے بلکہ اس میں جابجا یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آباد بستیاں جب اجڑ جائیں تو کس طرح لوگ مایوسی اور بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مستقبل میں انفرادی دریاؤں میں پانی کے بہاؤ کا انحصار زمین پر گرنے والے پانی اور بخارات کے عمل میں پیدا ہونے والی تیزی کے مابین ہو گا۔ اس اصول کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ خشک علاقے مزید خشک تر اور مرطوب علاقے مزید مرطوب ہوں گے جب کہ عالمی سطح پر ماحول میں شدت آئے گی۔ اس ساری صورتحال میں گنجان ترین آبادی کو پانی مہیا کرنے والے دریا بدترین قلت کا شکار ہوں گے۔

طاہرہ اقبال کے ناول "گراں" میں جہاں "جزئیات نگاری" کی صورت میں دیہی کلچر کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے وہیں اس ماحول و فطرت کے ذریعے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان کس طرح اپنی دھرتی سے جڑا رہتا ہے۔ اس کا یہ تعلق مختلف کرداروں کے مابین محبت و احساس کے رشتے سے جنم لیتا ہے۔ ناول کے کردار باہم پیوست ہیں تاہم ان کرداروں کے مسائل کی بھرپور عکاسی بھی ناول کا خاصا ہے۔

وہ چٹیل خشک پہاڑ کہ جنہیں مسلسل کھودنے کے باوجود کبھی کنواں نہیں نکلتا کیونکہ یہاں پانی اتنا گہرا ہے کہ اس کی اتھاہ نہیں ملتی۔ سیکڑوں فٹ نیچے خشک پتھریلی زمین کی بدولت پانی کی بوند تک بھی نہیں ملتی۔ ماضی میں رہن سہن کے بعد جب جدت آئی تو پھر اس نے "نیا ماحول" عطا کیا:

"اب جب کہ نئی بستیاں، نئے گلوبل ولیج، نئے انداز، نئی مشینیں استوار کر رہی ہیں۔ تعلقات کے نئے نئے ذرائع ایجاد ہو رہے ہیں۔ کیا تعلقات کی نوعیت اور جذبات کی تفسیر نئے زمانے کے جدید مواصلاتی ذرائع نئے انداز سے ترتیب دیں گے۔"(۱۰)

پسماندگی کا شکار گاؤں اب ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ اس ناول میں جہاں اپنی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے مقامی معاشرت کے رہن سہن اور عہدِ ماضی کو عمدہ انداز سے پیش کیا گیا ہے وہیں دورِ جدید رشتوں میں دراڑ اور اپنے ملک سے زیادہ بیرونِ ممالک قیام کے حصول کو فوقیت دینے سے متعلق کہانی ہمیں ماحولیاتی عناصر کے قریب تر محسوس ہوتی ہے۔

وحید احمد کا ناول "مندری والا" دو کرداروں "مندری والا" اور "جمال" کے فلسفیانہ انداز پر مبنی مکالمے سے شروع ہوتا ہے۔ جمال ایک لڑکی "سینا" کے ہمراہ پہاڑی علاقوں کی سیر و سیاحت کرتا ہے، دونوں ایک دوسرے سے محوِ گفتگو رہتے ہیں۔ اونچے پہاڑوں میں حسن و خوبصورتی کا تال میل جہاں محصور کن ہے وہیں یہ احساس بھی پر کیف ہے کہ پہاڑوں پر خزاں بھی بہار کی مانند اثر انداز ہوتی ہے۔

سائبیریا میں برف باری کی شدت میں اضافہ ہوا تو پرندوں کا ٹھکانہ نہ رہا، انھوں نے نقل مکانی شروع کر دی اور وہ ایک ہی اڑان میں سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اپنی تلاش کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی "کالی پہاڑی" ہے جہاں دیگر ممالک سے پرندے ہجرت کر کے آتے ہیں۔ ناول میں اس حوالے سے یہ موقف اختیار کیا گیا:

> "دنیا بھر کے پرندے آپس میں لاسلکی تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ ایٹم کے مداروں میں گھومتے الیکٹرانوں کی طرح۔ ایک الیکٹران کالی پہاڑی میں تو دوسرا سائبیریا میں۔ زاغ کالی پہاڑی میں تو زغن سائبیریا میں۔"(۱۱)

کالی پہاڑی میں جمال کے علاوہ ایک اور لڑکا بھی مندری والا کے "چنڈوخانے" میں رہنے لگے۔ کالی پہاڑی کے مدِ مقابل شہر کی فضا کا تقابل بھی الگ انداز اختیار کیے ہوئے ہے۔ جمال شہر واپسی کا سفر اختیار کرتا ہے اور بس اڈے پر لوگوں کا اژدھام دیکھ کر چکرا جاتا ہے۔ مسافروں کی بے چینی اور خوانچہ فروشوں کا شور و غل اس کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ وہ اپنے تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ سفر کرتا ہے۔، اسے ڈیزل کی ناگوار بو تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ماحولیاتی حوالے سے وحید احمد کا دوسرا اہم ناول "زینو" کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا۔ ایتھنز سے کچھ فاصلے پر سمندر تھا، اس کے شمال مشرق میں ایک جزیرہ تھا جسے یونانی آسیب زدہ کہا جاتا تھا۔ اس جزیرے سے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہاں کشتی ڈوب جاتی ہے۔ زینو کا باپ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ قسمت آزمائی کے لیے اس جزیرے کا رخ کرتا ہے۔ کھانے پینے کے سامان اور مختلف اوزار کو زادِ راہ کے لیے رکھا گیا۔ یہ جزیرہ اپنی خوبصورتی میں حیران کن حد تک متاثر کرتا تھا:

> "انواع و اقسام کے درخت تھے۔ یونان میں شاہِ بلوط، زیتون، جونیپر، صنوبر اور پاپلر کے درخت نظر آتے تھے مگر یہاں ان درختوں کے علاوہ ناریل کے درختوں کا جنگل تھا اور کچھ ایسے درخت بھی تھے جو ان لوگوں نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ پرندوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔ پھل دار درختوں کی بہتات تھی۔ جزیرہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اس میں صاف پانی کی ایک بہت بڑی جھیل تھی۔"(۱۲)

کائنات کا وہ سفر جو ماحولیاتی آلودگی سے پاک تھا، انسان کی ترقیاتی کوششوں کی بدولت اتنا تبدیل ہوا کہ آج اس نے مصنوعی پن اختیار کر لیا ہے۔ اب لوگ قدرتی ماحول اور چیزوں کی اہمیت کو جاننے کے باوجود دنیا کا نقشہ تبدیل کر چکے ہیں۔

حالات پہلے جیسے نہیں تاہم ماحولیات میں یکسر بدلاؤ نے انسان کی صحت کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے۔ موجودہ دور میں انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش ماحولیاتی تبدیلی بن چکی ہے۔ زمین کا بڑھتا ہوا درجۂ حرارت نسلِ انسانی کے علاوہ چرند، پرند، درخت، پودے، پہاڑ اور دیگر قدرتی چیزوں

کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن چکا ہے۔ موجودہ دور میں یہ حقیقت واضح طور پر عیاں ہے کہ فطرت کے اپنے قوانین اور تقاضے ہیں جن میں بے جا مداخلت سے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں:

"سائنسدانوں کی آخری تحقیق اور سمجھ کے مطابق ہماری زندہ دنیا تباہی کے قریب پہنچ چکی ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس زمین پر زندگی کی تباہی اور بربادی کا عمل محدود پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔"(۱۳)

کھارے پانی کی بدولت درختوں کی جڑیں اکھڑ چکی تھیں۔ جب درخت کٹ جائیں تو پھر ماحول پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ گرد و غبار نے اس جزیرے کا اپنا حسن بری طرح متاثر کیا تھا۔

ناول "زینو" میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ "ترقی یافتہ" یا "غیر ترقی یافتہ" کی تراکیب میں "نظامِ قدرت" کا خیال رکھنا اہم ہے۔ توازن اور اعتدال کے بغیر دنیا کا نظام متاثر ہو سکتا ہے۔ انسان نے ہمیشہ وسائل کے حصول اور استعمال کو فوقیت دی، یہ صورتحال جنون کی شکل اختیار کر گئی۔ اسی حوالے سے ترقی یافتہ ممالک کی باہمی میٹنگ میں دنیا کا جو نقشہ کھینچا گیا اس میں کئی اہم پہلوؤں پر مباحث شامل تھے جیسے دنیا کی فلاح و بہبود، غربت کا خاتمہ، غریب ملکوں کے قرضوں کا معاملہ، ماحولیاتی آلودگی، جنیاتی تبدیل شدہ بیجوں سے کاشت کاری اور خلانوردی وغیرہ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ:

"اللہ سے بڑا سائنسدان اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ سائنس کسی انسان کی میراث نہیں ہے، اس نے تو صرف ان چیزوں کو دریافت کیا ہے جو قدرت نے انسان کے لیے بنائی تھیں، لیکن بدقسمتی سے یا اپنی لاعلمی سے وہ ان چیزوں کو اس طرح استعمال کر رہا ہے کہ ان کا الٹا نقصان ہو رہا ہے اور ہم قدرت کے اہم خزانوں سے محروم ہو رہے ہیں۔"(۱۴)

ناول کی کہانی اس وقت تجسس اختیار کر گئی جب اچانک ایک جزیرہ نمودار ہوا، اس کے ارد گرد سمندر کا پانی باقی سطحِ آب سے نیچے تھا۔ سائنس دان اس جزیرے کے پراسرار پہلوؤں پر غور کرنے لگے۔ سائنس کی ترقی نے انسان کی زندگی میں کئی تبدیلیاں پیدا کی ہیں:

"مذہب کے خلاف دورِ جدید کا جو مقدمہ ہے وہ اصلاً طریقِ استدلال کا مقدمہ ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ علم کی ترقی نے حقیقت کا مطالعہ کیا۔"(۱۵)

جدید دور کی ترقی میں جو چند عوامل اہمیت اختیار کر گئے ان میں میں انسان کو دوبارہ بنانا، مستقبل میں انسانی سوچ کا قبل از وقت علم ہونا، مادی ترقی کے حوالے سے نت نئے انکشافات کا علم وغیرہ شامل تھے تاہم اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ انسان ترقی کے اس سفر کو جاری رکھتے ہوئے نظامِ کائنات میں جس طرح ردوبدل کر رہا ہے وہ مستقبل قریب میں زمین کے ماحولیاتی نظام کے لیے خطرہ ہے۔

ارشد چہال کے ناول "بیاڑ گلی" میں زمین کے ماحول کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار "سلیمان" ایک "فاریسٹ آفیسر" ہے۔ اس کا تبادلہ ایک خوبصورت وادی "بیاڑ گلی" میں ہو جاتا ہے جہاں درختوں کی غیر قانونی کٹائی سلیمان کو مضطرب کر دیتی ہے۔ سلیمان کو یہ محسوس ہوا کہ بیاڑ کے درختوں کی بدولت "بیاڑ گلی" نام مشہور ہوا ہو گا۔

سلیمان اس وادی کی دلکشی کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اس کوشش میں لگاتار مصروف رہتا ہے کہ کسی طرح اس "ٹمبر مافیا" کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے جو کائنات کے حسین و جمیل مظاہرِ فطرت کو بے دردی سے قتل کر رہے ہیں:

> "اس جنگل کو دیکھتے دیکھتے اس نے سوچا شاید یہی وہ خوبصورت ماحول تھا جو فطرت نے انسان کے لیے اس زمیں پر موزوں کیا تھا۔" (۱۶)

"بیاڑ گلی" میں غیر قانونی طور پر درختوں کی کٹائی نہایت منصوبہ بندی سے کی جا رہی تھی۔ سلیمان نے مداخلت کی تو اسے طاقت کے زور پر کہیں اور بھجوا دیا گیا تاہم وہ کسی نہ کسی طرح اس علاقے کے قدرتی حسن کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے وہ ایک کالم "بیاڑ گلی کے جنگلات کی فریاد" کے عنوان سے لکھتا ہے۔

سلیمان انگریزی کتاب "دی ویننشنگ جنگل" علاقے کی بااثر شخصیت کی بیٹی "زمرد" کے پاس بھجواتا ہے۔ یہ کتاب دنیا سے ختم ہوتے ہوئے جنگلات سے متعلق تھی۔ زمرد، سلیمان کو پسند کرتی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ گویا یہ تمام باتیں سلیمان کے جذبات کا اظہار ہیں۔ زمرد بھی اپنے گردوپیش واقع جنگلات اور قدرتی مناظر سے محبت کرنے لگی۔ انسانوں کے بہتر ماحول کو محفوظ رکھنے کا عزم زمرد میں بھی جاگ گیا۔

خالد جاوید کے ناول "ایک خنجر پانی میں" کی کہانی ایسے ماحول کی عکاسی کرتی ہے کہ جہاں قدرتی طریقے کی بجائے مصنوعی طرزِ زندگی کو اپنا لیا گیا ہے۔ کہانی کا لوکیل ایک ایسی معاشرت سے جڑا ہوا ہے جہاں نیا شہر "لائف اپارٹمنٹس" کے نام سے آباد ہوتا ہے۔ اس شہر کی ترقی کے لیے نا صرف آس پاس گاؤں کی زمینیں خالی کر دی گئیں بلکہ کئی طرح کے پراجیکٹ بھی شروع ہو گئے۔ فیکٹریاں اور نت نئے شاپنگ مال شہر کی خوبصورتی قرار دیئے گئے۔ جدید مشینری نے وہاں کی رونق ہی بدل دی نیز کئی طرح کے تعلیمی ادارے بھی تیزی سے تعمیرات کے مراحل طے کرتے گئے۔ اس کالونی میں اچانک صاف پانی کی قلت شروع ہوئی اور لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ ناول میں اس صورتحال کے بعد مختلف گھرانوں کی کہانیاں شروع ہوئیں۔ گندگی سے بھرپور بدبودار پانی نے انسانی زندگی کو کس طرح مشکلات میں ڈال دیا، اس کا بھرپور اظہار ناول میں موجود ہے۔

پانی کی قلت اور گندگی سے بھرپور ہونا اب صرف "لائف اپارٹمنٹس" تک محدود نہ رہا بلکہ آس پاس کی دیگر کالونیاں بھی شدید متاثر ہوئیں:

> "سوسائٹی کی انتظامیہ کمیٹی نے اپنا بورنگ الگ کروا رکھا تھا اور اس میں کیلشیم، میگنیشم، سوڈیم اور پوٹیشیم کی مقدار خطرناک حد تک تھی۔ اس پانی میں ریت اور مٹی کے ذرات بھی ملے ہوئے تھے جن کی وجہ سے پانی کا رنگ دھندلا اور مٹیالا تھا۔ ظاہر ہے اس پانی کو پینا مشکل بھی تھا اور مضر بھی۔ خاص طور سے گردوں اور پھیپھڑوں کے لیے" (۱۷)

ماہرینِ ماحولیات آلودہ پانی اور کثیف ہوا کو پھر سے پاک کرنے کی جانب متوجہ کرتے ہیں اسی طرح روح کی حقیقی خوبصورتی کو بھی موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے۔ ایک روحانی پیشوا ہی بہتر راستے کے انتخاب میں معاونت کر سکتا ہے۔ ساری تخلیق خدا کی ہی کاریگری ہے۔ جب ہم اپنے اندر کی روشنی سے واقف ہو جائیں تو پھر ہمیں جسم کی بجائے روح کی اصلیت سے آگاہی ہوتی ہے۔

عاطف علیم کا ناول "مشک پوری کی ملکہ" میں مشک پوری پہاڑ کی شیرنی ایوبیہ نیشنل پارک کے سنگلاخ ویرانے میں زخم خوردہ حالت کے باوجود بے چینی سے چکر کاٹتی ہے۔ گلیات کے گردو پیش میں غیر اعلامیہ ایمرجنسی نافذ تھی۔ اس ناول میں تلاش کا سفر ایک زور آور جانور کی بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ "مشک پوری" پہاڑ پر سب کچھ معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ ناول نگار نے شیرنی کی سوچ کی نہایت عمدہ انداز سے عکاسی کی ہے۔ وہ مختلف جانوروں کے باہمی ربط سے متعلق غور کرتی ہے، وہ اس پہلو کا جائزہ لیتی ہے کہ آپس میں قربت کا احساس کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے۔ کتے اور دیگر جانور اپنے چھوٹے بچوں سے محبت میں انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب وہ بڑے ہونے پر اپنے ہی بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انسانوں سے متعلق شیرنی کی سوچ چونکا دینے والی کیفیت کی حامل ہے:

> "ملکہ کو انسان نام کا یہ جانور کبھی ایک آنکھ نہ بھایا تھا کہ گلداروں سمیت ہر اس جانور کا ازلی دشمن تھا جو فطری تقاضوں کے مطابق چار ٹانگوں پر چلتا ہے۔ یہ وہی تھا جس نے جانے کتنے معصوم جانوروں کو اپنے گھروں میں باندھ رکھا تھا۔ وہ جو چاہتا ان دکھیاروں کے ساتھ کرتا، جسے چاہتا نکیل ڈالے پھراتا۔ جسے چاہتا ڈگڈگی پر نچاتا پھرتا، گویا اس کے بھانویں ان میں کوئی عزت نفس ہی نہ ہو۔"
>
> (۱۸)

انسان نے ہمیشہ دیگر مخلوقات کو نقصان پہنچایا ہے۔ ملکہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اس کے بچوں کو شکاری لے گئے۔ شیرنی ان کی بازیابی کے لیے روز کسی نہ کسی گاؤں میں گھروں کے گرد منڈلاتی اور بغیر کوئی نقصان کیے واپس چلی جاتی۔

آدم خور کی وحشت کے مدِ مقابل انسانی طاقت میں شدید عدم توازن تھا۔ تاہم ہتھیار انسان کے دفاع کا ایک مضبوط سہارا ہے۔ لہٰذا اس جنگ میں شیرنی ہار گئی۔ ناول جہاں ممتا کے جذبات و احساسات کا عکاس ہے وہیں انسان کے لیے بھی واضح پیغام موجود ہے کہ جب انسان اپنی وقتی تسکین کے لیے دیگر مخلوقات کو ایذا دیتا ہے تو وہ بھی بدلے کی آگ میں جلتی ہیں اور نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

آمنہ مفتی کا ناول "پانی مر رہا ہے" فطرت کے مظاہر کا بھرپور عکاس ہے۔ ناول میں دیہی زندگی اور رہن سہن کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گاؤں اپنے سبزے، چرند پرند اور سادہ طرزِ زندگی کی بدولت اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ ناول میں دیہی زندگی کے نمایاں موضوعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جیسے پسند کی شادی، لڑکیوں کی چھیڑ خانی، گھریلو کام کاج اور پنچائیت کے معاملات شامل ہیں۔ علاقائی دشمنیوں میں کس طرح ایک دوسرے سے مقابلے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی بھرپور عکاسی ناول میں کی گئی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار "عفان صاحب" دریائے بیاس کی پرانی گزرگاہ کے قریب اپنی ملکیت شدہ زمین دیکھنے جاتے ہیں تو انھیں ہر طرف ریت، جھاڑیاں، ٹوبے اور ٹیلے دکھائی دیئے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود ان کی خواہش تھی کہ زمین کے اس چند ایکڑ حصے کو زرخیز بنا دیں تاہم اس سلسلے میں رکاوٹ کی وجہ یوں بیان کی گئی:

"سرحد کے آر اور پار دونوں ملک جان توڑ کوشش کر رہے تھے کہ زیادہ سے زیادہ علاقے تک پانی پہنچا کر زمین کو قابلِ کاشت بنا دیا جائے کیونکہ ان کے فوطوں میں آنے والی بھوکی نسلوں کے بے شمار "جرثومے" کلبلا رہے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگر ہر کھیت سے بے شمار خوراک پیدا نہ کی گئی تو یہ ٹڈی دل ایک روز، مارے بھوک کے ایک دوسرے کو کھا جائیں گے اور اگر پھر بھی پیٹ نہ بھرا تو زمین کھود کر اپنے بڑوں کی ہڈیاں تک نکال کر کھا جائیں گے۔"(۱۹)

عرفان صاحب ان سارے معاملات کے باوجود یہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ وہ "شب" میں واقع جھیل، جس سے دریائے سندھ نکلتا ہے، کے تحت پانی کی تقسیم ممکن بنائیں گے تاکہ "قابلِ کاشت" زمین کا منصوبہ یقینی بنایا جا سکے۔

اختر رضا سلیمی کا ناول "جاگے ہیں خواب میں" کائنات کے خوبصورت مناظر کی عکاسی سے مزّین ہے۔ ناول کا مرکزی کردار کائنات کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ گویا وہ سب کچھ خواب کی صورت اس پر عیاں ہے یا پھر حسین و جمیل نظارے محض آنکھوں کا دھوکا ہیں۔ وہ خواب اور حقیقت کے مابین کشمکش کا شکار رہتا ہے۔ اسے اکثر یہ محسوس ہوتا کہ آنے والی نسلیں ان مناظر کو مختلف انداز سے دیکھیں گی۔ نظامِ کائنات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے اسے یہ احساس شدت سے ہوتا تھا کہ سب کچھ ماضی کی آنکھ سے دیکھنا ممکن ہے۔ مستقبل میں بھی دیکھنے کا اختیار انسان کو مل جانا چاہیے تھا تاہم وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ:

"ہم قوانینِ فطرت میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ ہم انھیں توڑ نہیں سکتے لیکن اگر ہم انھیں توڑ سکیں تو کیا ہمیں اس کی کوئی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"(۲۰)

ناول میں جہاں فلسفیانہ انداز اپنایا گیا ہے وہیں کئی سوال بھی قاری کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ بعض اوقات انسان خواب اور حقیقت میں کوئی خاص فرق نہیں کر پاتا۔ یہی تاثر اس ناول میں بھی موجود ہے۔

قدرت کا نظام ایک مکمل تناسب کے ساتھ موجود ہے۔ دنیا، ماحولیات اور نظامِ قدرت ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ آج ماحولیات نئے خطروں سے دوچار ہے۔ ہم جس فضا میں سانس لیتے، پانی پیتے یا جس دھرتی سے خوراک حاصل کرتے ہیں، یہ تمام چیزیں آلودگی کا شکار ہے۔ ہمارے کرۂ ارض کو درپیش یہ خطرہ کسی ایک ملک کی بجائے عالمی سطح تک پہنچ چکا ہے۔ اس سلسلے کو بحالی کی جانب منتقل کرنے کے لیے ہمیں چار حصوں میں منقسم کرنا ہوگا جن میں قدرتی دور، آلودگی، بحالیات اور تحفظ شامل ہے۔

حنا جمشید کا ناول "ہری یوپیا" ہڑپا کے ان دنوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جب یہ شہر آباد اور پر رونق تھا۔ کئی ٹیلوں میں بسی اس خوبصورت بستی کے ملاح بھی اپنے شہر کے حسن پہ فدا تھے۔ "ایراوتی" کے مقدس پانی کی الگ دھوم تھی۔ "ابھایا" اپنی کاریگری سے مٹی کے کئی دلکش نمونے بناتا تھا۔ وہ اپنے فن میں مہارت کی بنا پر پتھروں کو نت نئی شکل و صورت میں ڈھالتا رہتا۔

راجھستان کی ریتلی زمین سے آنے والوں کے لیے دریا سے اوپر کی طرف بسایہ شہر حیران کن تھا۔ اس دریا کے آس پاس قدرتی مناظر اپنی جانب متوجہ کرتے تھے۔ شام ڈھلتے ہی پنچھی اپنی چہچہاہٹ سے آس پاس منڈلاتے رہتے۔ پانی اور مٹی کے ملاپ سے ہر سو خوبصورت پھول ماحول کو تروتازہ رکھتے۔ "ہری یوپیا" کی تجارتی نقطۂ نظر سے بھی اس لیے اہمیت تھی کہ یہاں پانی کی قلت نہیں تھی۔ لوگ رہن سہن میں جدت کو اپنائے ہوئے تھے۔ تجارتی معاملات اور لین دین میں ہزاروں سال قبل بھی ان کی پہچان نمایاں تھی تاہم قدرتی آفات اور مصائب نے ہمیشہ انسان کے منصوبوں کو نامکمل کیا ہے۔ ہمالہ سے پھوٹتے چشموں "ایراوتی" نے ان علاقوں کا بھی رخ کیا۔ لوگوں کے لیے اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی۔ ہر طرف ہلچل کا سماں تھا:

> "پانی کے تیز ریلے میں ممیاتے ڈھور ڈنگر بہے چلے جارہے تھے۔ اس گھڑی "ہری یوپیا" کے بھاگتے دوڑتے لوگوں کو اپنی جان بچانا ایسا ہی مشکل نظر آرہا تھا کہ وہ اپنے ڈنگروں کو کیسے سنبھال پاتے۔ بڑی بڑی بھینسیں پانی کے بہاؤ کے آگے بے بس تھیں تو پھر بکری کے میمنوں کی کیا اوقات تھی، شہر میں داخل ہوتے تیز پانی کے دھارے نے انھیں اٹھا اٹھا کر پٹکا تھا۔"(۲۱)

"ہری یوپیا" شہر کے پس منظر میں سدھیوا، ابھایا، سمارا، کومیل اور ایک نوجوان موہن اور سانولی سلونی دوشیزہ کے کرداروں کے گرد نہایت خوبصورتی سے بنا گیا ہے۔ زمانہ قدیم میں شہر دریا کے کنارے ہی بسائے جاتے تھے۔ پانی کو مقدس سمجھ کر دریاؤں کی پوجا کی جاتی تھی۔ پانی میں سفر کرنے والے ملاح بڑے محنتی ہوتے تھے۔ سفر کو دوران وہ گیت گاتے تھے۔ ان کے گیت ہمت کا درس دیتے تھے۔ ہری یوپیا میں "سدھیوا" کا کردار بھی ایسا ہی ہے جو بڑا ہمت والا تھا۔ وہ پانی میں سفر کا بڑا تجربہ رکھتا تھا۔ اس کا بیٹا گم ہو جاتا ہے اس کے باوجود وہ ہمت سے کام لیتا ہے۔ وہ دوسرے بچوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ بغیر لالچ کے دوسروں کی مدد کرتا ہے اور بیٹے کی جدائی میں گیت گاتا ہے۔ ناول میں ہڑپا کے ایک اور کردار کا ذکر کیا گیا ہے جو مٹی کے برتن اور پتھر سے زیورات اور مورتیاں بناتا ہے:

> "فکشن کے متون، شعری تجریدیت کے برخلاف، بیانوی، زمینی اور ماحولیاتی ہوتے ہوئے اس لوکیل سے جڑے ہوتے ہیں جو متن محض کبھی نہیں ہوتی۔ اس کے مسائل کے سبھی حوالے انسانوں ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۲۲)

دنیا میں کئی تہذیبوں نے عروج دیکھے ہیں لیکن آج ان کا نشان تک اس دنیا میں نہیں رہا۔ قدرت کا اپنا ہی قانون ہے۔ جہاں بہت سی نئی بستیاں آباد ہوتی ہے وہاں بہت سی بستیاں اُجڑتی بھی ہیں۔ اس کی وجہ کسی جگہ پر پانی کی کمی ہوتی ہے جو قحط اور خشک سالی کا سبب بنتی ہے اور کہیں پانی کی زیادتی جس کی وجہ سے سیلاب آتے ہیں۔ جہاں زندگی کا انحصار پانی پر ہوتا ہے، وہیں پانی زندگی کو ختم کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسی پانی کی وجہ سے "ہری یوپیا" کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی تہذیب صفحۂ ہستی سے مٹ گئی جس کے آثار کئی سال بعد برآمد ہوئے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فکشن اپنی قوت کے بل بوتے پر بھولے بسرے زمانے پھر سے لوٹا دیتی ہے۔ ان ناولوں میں کہیں زمانۂ قدیم کی تہذیب و ثقافت اور قدرتی نعمتوں کا حوال شامل ہے اور کہیں دورِ جدید کی بظاہر ترقی یافتہ شکل کے پس پردہ انسانی زندگی کو درپیش خطرات لاحق ہیں۔ ابتدائی طور پر لوگ امن و محبت سے رہنے والے اور سادہ طرزِ زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ محبتوں پر یقین رکھنے والے اور مہمان نواز تھے۔ زمانے کے بدلتے تقاضوں نے صورتحال یکسر بدل دی، مادیت پرستی کو فروغ حاصل ہوا تو افراتفری نے جنم لیا، مذہب میں "میانہ روی" کو فروغ دیا گیا جب کہ ہمارے مزاج اور رویوں میں شدت پسندی آ گئی۔ آج بے ہنگم ٹریفک، ناخالص غذا، فضائی و آبی آلودگی، افراتفری، درختوں کی کٹائی، دھواں، گرد و غبار، پانی، تیل، گیس، کوئلے کا بے دریغ استعمال اور اس نوعیت کے دیگر مسائل طوفان کی سی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ بدلتی ہوئی زمین اور اس کا درجۂ حرارت سائنس دانوں کی طرف سے بار بار تنبیہ کی صورت سامنے آ رہا ہے۔ ان تبدیلیوں کا اثر پچھلی دو صدیوں پر محیط انسانی سرگرمیوں کی بدولت ہے۔ لہٰذا ماحولیاتی مسائل کا حل اور ان پر کنٹرول بھی انسان ہی کر سکتا ہے۔

ماحولیاتی حوالے سے اردو ادب کے ان چند اہم ناولوں میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ کیا انسان کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ وہ اس وسیع کائنات میں واحد گھر یعنی "زمین" کو کس طرح کھوکھلا کر رہا ہے۔ پانی کی قلت، پہاڑوں یا درختوں کی کٹائی، زمینی و خلائی آلودگی کے علاوہ فطرت کے معاملات کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے دیگر مخلوقات کا خاتمہ محض ایک عام بات نہیں بلکہ انسان اپنے ہاتھوں سے خود کا گھر تباہ کر رہا ہے، اور جو گڑھا وہ دوسروں کے لیے کھود رہا ہے اس میں خود بھی گرنے کے قریب ہے۔ مختلف کہانیوں کی بدولت انسان کو ان حساس معاملات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ کس طرح قدرتی وسائل کا سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ضروری ہے ورنہ ہم تباہی و بربادی کا شکار ہو جائیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ جمال نصرت۔ ہمارا ماحول اور ہماری ذمہ داری۔ لکھنؤ: نعمانی پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۲ء۔ ص ۱۲۳

۲۔ مبشر الحق عباسی۔ خلائی آلودگی۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۵ء۔ ص ۲۲

۳۔ زاہد حسین انجم۔ فرہنگ ماحولیات۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۵ء۔ ص ۵

۴۔ جمال نصرت۔ پانی کی تلاش۔ لکھنؤ: کاکوروی آفیسٹ پریس، ۲۰۰۲ء۔ ص ۸۱۳

۵۔ بحوالہ اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر۔ ماحولیاتی تنقید: نظریہ اور عمل۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۹ء۔ ص ۲۱

۶۔ ایضاً۔ ص ۹۳

۷۔ جمال نصرت۔ ہمارا ماحول اور ہماری ذمہ داری۔ ص ۱۲۴

۸۔ مستنصر حسین تارڑ۔ بہاؤ۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء۔ ص ۱۳۸

۹۔ خالد فتح محمد، کوہِ گراں، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص: ۲۱

۱۰۔ طاہرہ اقبال۔ گراں۔ جہلم: بک کارنر، بار دوم، ۲۰۲۳ء۔ ص ۲۰۰

۱۱۔ وحید احمد۔ مندری والا۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۲ء۔ ص ۹۲

۱۲۔ وحید احمد۔ زینو۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۱۳

۱۳۔ جاوید عنایت۔ گلوبل وارمنگ اور موسمیاتی تبدیلیاں۔ راولپنڈی: آواز پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء۔ ص ۱۳۰

۱۴۔ تسنیم جعفری۔ لے سانس بھی آہستہ۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۸ء۔ ص ۱۲

۱۵۔ مولانا وحید الدین خان۔ مذہب اور جدید چیلنج۔ نئی دہلی: مکتبہ الرسالہ، نظام الدین ویسٹ، ۲۰۰۰ء۔ ص ۴۱

۱۶۔ ارشد چہال۔ بیاڑ گلی۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔ ص ۲۰

۱۷۔ خالد جاوید۔ ایک خنجر پانی میں۔ کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۱ء۔ ص ۲۰

۱۸۔ محمد عاطف علیم۔ مشک پوری کی ملکہ۔ لاہور: صریر پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء۔ ص ۱۰

۱۹۔ آمنہ مفتی۔ پانی مر رہا ہے۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، ۲۰۲۰ء۔ ص ۵۴

۲۰۔ اختر رضا سلیمی۔ جاگے ہیں خواب میں۔ راولپنڈی: رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، مارچ، ۲۰۱۵ء۔ ص ۲۹

۲۱۔ حنا جمشید۔ ہری یوپیا۔ جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۲ء۔ ص ۳۲۰

۲۲۔ نسترن احسن فتیحی۔ ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی افسانہ۔ لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء۔ ص ۱۰